وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور اچھے اچھے
کام کرے اور کہے کہ میں بھی یقیناً (خدا کے) فرمانبردار بندوں میں سے ہوں

کتاب مستطاب

احسن الفوائد

فی

شرح العقائد

اصل رسالہ اعتقادیہ

از قلم حقیقت رقم

حضرت صدوق العلماء العالمین رئیس الفقہاء والمحدثین جناب
شیخ ابو جعفر محمد بن علی ابن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی اعلی اللہ مقامہ

مترجم رسالہ

فاضل محقق مولانا سید منظور حسین بخاری مرحوم

شارح رسالہ

صدر المحققین سلطان المتکلمین سرکار علامہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر والزمان مدظلہ

ناشر
منیجر مکتبۃ السبطین ۲۹۶ / ۹۔بی سیٹلائٹ ٹاؤن بلاک بی سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

[illegible]

کتاب مستطاب

احسن الفوائد
في
شرح العقائد

جس میں

تمام شیعہ عقائد و مسلمات کو قرآن کریم، احادیث معصومین اور عقل سلیم کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے اور دیگر مذاہب اسلام کے مقابلہ میں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے شیعہ اصول و عقائد کی برتری واضح کی گئی ہے اور ہر موضوع پر ملاحدہ و منکرین کے جملہ شکوک و شبہات کو عقل و نقل اور علوم قدیمہ اور جدیدہ کی روشنی میں رد کیا گیا ہے

سرکار صدوق العلماء العاملین رئیس الفقہاء والمحدثین حضرت شیخ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی علیہ الرحمۃ

سرکار رئیس المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ مد ظلہ العالی علی رؤس المومنین

۲۹۶ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

ثنائی پریس بلاک نمبر ۱ سرگودھا
فون 71868

یا ابن رسول الله انا نری فی المسجد من یعلن بسب اعدائکم و یسمیهم فقال ماله لعنه الله یعرض بنا وقال الله ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم وقال الصادق ع: تفسیر

فرزند رسول! ہم مسجد میں ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو کھلم کھلا آپ کے دشمنوں کا نام لے کر ان پر سب و شتم کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اس ملعون کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہمیں معرض خطر میں ڈال کر لوگوں کو ہمارے خلاف برانگیختہ کرتا ہے۔ حالانکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے جو لوگ خدا کے سوا کسی کو پکارتے ہیں ان کے سامنے، ان کے معبودوں کو برا نہ کہو ورنہ یہ لوگ جہالت اور دشمنی کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کو برا کہنے لگیں گے حضرت صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

قرآن میں حضرت ابراہیم کا "اب" کہا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ تحقیقی قول یہ ہے کہ آزر جناب کے چچا تھے چنانچہ اس سلسلہ میں بڑے بڑے مورخین کی تصریحات موجود ہیں۔ ان البتہ چچا اور تربیت کنندہ ہونے کی وجہ سے محاورہ عرب کے مطابق ان کو اب (باپ) کہہ دیا گیا ہے لان العم صنو الاب ورنہ ان کے والد حقیقی کا نام جناب تارخ تھا۔ زجاج کہتے ہیں لا خلاف بین النسابین ان اسمه تارخ۔ نسابین میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کا نام تارخ تھا۔ (تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی ج ۴ ص ... و تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۲۳) اس امر پر مذہب شیعہ کا اتفاق ہے۔ لہٰذا یہ شبہ دلائل نقلیہ، عقلیہ اور نقلیہ کے بالمقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

چالیسواں باب (تقیہ کا بیان)

تقیہ کے مفہوم کی تعیین اور اس کا اثبات

اس مقام پر حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ کا یہ ایراد کسی حد تک درست ہے کہ حضرت مصنف علام کا کلام تقیہ کے متعلق (دیگر اکثر مسائل کی طرح) بہت مجمل ہے اس میں نہ تقیہ کے مفہوم و معنی بیان کئے گئے ہیں اور نہ ہی یہ تفصیل بیان کی گئی کہ تقیہ کہاں واجب ہے اور کہاں حرام۔ کہاں راجح ہے اور کہاں مرجوح؟ اس لئے ہم ذیل میں اس مسئلہ پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ تقیہ کے لغوی معنی ہیں ڈر، خوف اور اصطلاح میں تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی ضرورت مثل خوف جان و مال و عزت و ناموس اور خطرہ دل و جان کے وقت حق کو پوشیدہ رکھ کر خلاف حق بات کا اظہار کرنا۔ یہ مسئلہ منجملہ ان مسائل کے ہے کہ جن کی وجہ سے مخالفین ہمیشہ اہل حق پر کر ابطعن و تشنیع دراز

هذه الآية فلا تسبوهم فانهم يسبون عليكم وقال الصادقؑ من سب ولي الله فقد سب الله ومن سب الله اكبه الله على منخريه في نار جهنم قال النبيؐ لعليؑ من سبك يا عليؑ فقد سبني ومن سبني فقد سب الله والتقية واجبة لا يجوز رفعها الى ان يخرج القائمؑ فمن تركها قبل خروجه فقد خرج عن دين الله تعالى وعن دين الامامية وخالف الله ورسوله والائمة

ان لوگوں پر سب وشتم نہ کرو ورنہ یہ لوگ تم پر سے علیؑ پر سب وشتم کر دیں گے۔ پھر فرمایا جو شخص ولی خدا کو برا کہے اس نے گویا خدا وند عالم کو برا کہا۔ اور جس نے خدا کو برا کہا خدا تعالیٰ اسے ناک کے بل آتش جہنم میں اوندھا ڈال دے گا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا یا علیؑ! جو شخص تم پر سب کرتا ہے وہ مجھ پر سب کرتا ہے اور جو مجھ پر سب کرتا ہے وہ خدا پر سب کرتا ہے۔ تقیہ واجب ہے اور حضرت قائم آل محمدؑ کے ظہور تک اس کا ترک کرنا جائز نہیں جو شخص آپ کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کرے گا وہ دین خدا یعنی مذہب امامیہ سے خارج ہو جائے گا۔ اور خدا و رسولؐ و آئمہ ہدیٰ کا مخالف متصور ہوگا۔

SIBTAIN.COM

کرتے رہتے ہیں حالانکہ یہ ایک فطری امر ہے جسے بلا امتیاز مذہب وملت ہر ضعیف و کمزور انسان اپنی نگہداشت اور مال و جان کی حفاظت کے لئے ہر دور میں لاتا رہتا ہے۔ وہ من یکن ینکرھا باللسان وقلبہ مطمئن بالایمان اگر کمزور و ناتوان انسان بوقت ضرورت تقیہ سے کام نہ لیں تو وہ ختم ہو جائیں اسلام جو کہ دین فطرت ہے۔ اس کے متعلق یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کے اس فطری حق کو اس سے سلب کرلے اور اس فطری تقاضے کو حرام قرار دے دے؟ یہی وجہ ہے کہ بانی اسلام اور ان کے اوصیاء علیہم السلام نے تقیہ کو فقط جائز ہی نہیں بتایا۔ بلکہ اس کی اہمیت پر بہت کچھ زور بھی دیا ہے چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ واللہ ما علی وجہ الارض من شیئ احب الی من التقیہ بخدا روئے زمین پر مجھے تقیہ سے زیادہ کوئی چیز بھی محبوب نہیں ہے۔ (اصول کافی) بلکہ یہاں تک فرمایا کہ لا دین لمن لا تقیہ لہ (اصول کافی) جس میں تقیہ نہیں اس میں کوئی دین نہیں ہے۔

تقیہ کے جواز پر آیات متکاثرہ اور اخبار متظافرہ بلکہ متواترہ کتب بین فریقین میں موجود ہیں بنابر اختصار ہم ذیل میں چند آیات و اخبار پیش کرتے ہیں۔

جوازِ تقیہ کی پہلی آیت

ارشاد قدرت ہے۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیھم

وسئل الصادق عن قول الله عز وجل ان اكرمكم عند الله اتقاكم قال اعملكم بالتقية وقد اطلق الله تبارك وتعالى اظهار موالاة الكافرين في حال التقية وقال عز وجل لا يتخذ المؤمنون الكافرين اولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء الا ان تتقوا منهم تقاة وقال الله عز وجل لا ينهكم الله عن الذين

ترجمہ: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم: خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے، کی تفسیر پوچھی گئی۔ فرمایا کہ "اتقاکم" سے مراد وہ شخص ہے جو تقیہ پر سب سے زیادہ عمل کرے۔ خدا نے تقیہ کی حالت میں کفار سے دوستی ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔ مومنین کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا اسکو خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر تم ان سے خوف رکھتے ہو تو فقط اظہار دوستی میں حرج نہیں ہے۔ نیز فرماتا ہے خدا نے تمہیں ان کافروں سے نیکی اور انصاف کرنے کی ممانعت نہیں کی۔

SIBTAIN.COM

غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم (پ۱۴ س نحل ع ۱۴) اس شخص کے سوا جو کلمہ کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔ جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے بلکہ خوب سینہ کشادہ کر کے کفر کرے تو ان پر خدا کا غضب ہے۔ اور ان کے لئے بڑا (سخت) عذاب ہے۔ (ترجمہ فرمان) اس آیت مبارکہ کے متعلق تمام مفسرین اسلام کا اتفاق ہے کہ جواز تقیہ پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی ج۱ ص۳۹۹ تفسیر کشاف ج۱ ص۳۴۸ طبع مصر، تفسیر کبیر ج۵ ص۳۰۳ میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے جناب عمار اور ان کے والدین شریفین (جناب یاسر و سمیہ) کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کو چند کلمات کفر کہنے پر مجبور کیا۔ جناب یاسر و سمیہ کے انکار کرنے پر ظالموں نے ان کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا لیکن جناب عمارؓ نے وہ کلمات کفر کہہ کر اپنی جان بچا لی۔ بعض لوگوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں شکایت کی کہ عمار کافر ہو گیا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا اس طرح نہ کہو۔ عمار تو سر سے قدم تک ایمان سے پر ہے اور ایمان اس کے گوشت و پوست کے ساتھ مخلوط ہے۔ اس اثنا میں جناب عمار بھی با چشم گریاں دوڑتے ہوئے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا کوئی بات نہیں، ان عادوا لک فعد لہم بما قلت۔ اگر کفار دوبارہ تجھ سے یہی کلمات کہلوائیں۔ تو دوبارہ کہہ دینا۔ اس کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ یہ آیت مبارکہ عند الضرورت ایمان کو قلب میں پوشیدہ رکھ کر بظاہر کلمہ کفر کہنے کے جواز پر ایسی نص صریح ہے کہ کوئی کلمہ گو مسلمان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ قاضی بیضاوی ج۱ ص۳۹۹ نے اس کے ذیل میں لکھ دیا ہے وھو دلیل جواز التکلم بالکفر عند الاکراہ یعنی یہ اکراہ کے وقت کلمہ کفر

لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون۔

جو تم سے دین کے معاملہ میں نہ لڑے ہوں اور نہ ہی انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے یقیناً خدا تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ان جن کافروں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی لڑی اور تمہیں گھروں سے نکالا یا تمہارے گھروں سے نکالنے میں دشمنوں کی مدد کی ان سے محبت کرنے کی خدا نے ممانعت فرمائی ہے جو شخص ان سے دوستی اور محبت رکھے گا وہ ضرور ظالم ہوگا۔

کلمہ کے جواز کی دلیل ہے اور تفسیر جامع البیان ، اکلیل اور معالم التنزیل میں بذیل ارشاد قدرت وقلبہ مطمئن بالایمان لکھا ہے۔ والاجماع علی جواز کلمۃ الکفر عند الاکراہ۔ مجبوری کے وقت کلمہ کفر کہنا جائز ہے۔ (ملک النجاۃ)

دلیل دوم

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منھم تقاۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر (سورۂ آل عمران پ ۳ ع ۱۱) مومنین کے لئے لازم ہے کہ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں مگر جبکہ ان سے خوف و ڈر ہو۔ خدا تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہے۔ یہ آیت مبارکہ بطور نص صریح اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ کفار کی دوستی حرام ہے۔ ہاں جب ان سے جان و مال کا خوف دامن گیر ہو تو عداوت کو پوشیدہ رکھ کر بظاہر ان سے اظہار محبت اور میل جول رکھنا جائز ہے۔ یہاں بالکل واضح اور صریح لفظ الا ان تتقوا منھم تقاۃ مذکور ہیں۔ قراء سبعہ میں سے یعقوب نے اس لفظ تقاۃ کو تقیۃ پڑھا ہے (بیضاوی ج ۱ ص) نیز قتادہ اور ابو رجاء بھی اسے تقیۃ ہی پڑھتے تھے (تفسیر در منثور ج ۲ ص) اس آیت مبارکہ کے ذیل میں قاضی بیضاوی سنی (ص طبع مصر) پر لکھا ہے۔ منع عن موالاتھم ظاھراً وباطناً فی الاوقات کلھا الا وقت المخافۃ فان اظہار الموالاۃ حینئذ جائز یعنی خداوند عالم نے تمام اوقات میں ظاہراً باطناً کفار کی دوستی کی ممانعت فرمائی ہے ہاں جب ان سے خوف (جان یا مال) ہو تو اس وقت ان سے اظہار محبت جائز ہے۔ (کذا فی تفسیر معالم التنزیل)

اسی طرح تفسیر نیشاپوری ج ۳ ص مطبوعہ برحاشیہ تفسیر ابن جریر پر بھی حفظ جان و مال کے لئے تقیہ کو جائز بتایا ہے۔ ومنھا انھا جائزۃ لصون المال علی الاصح کما انھا جائزۃ لصون النفس لقولہ صلی اللہ

قال الصادق انی لاسمع الرجل فی المسجد وهو یشتمنی فاستتر منه بالساریة کیلا یرانی وقال الصادق خالطوا الناس بالبرانیة وخالفوهم بالجوانیة مادامت الامرة صبیانیة وقال الصادق ان الریاء مع المؤمن شرک ومع المنافق فی داره عبادة

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں کہ ایک شخص مجھے گالیاں دے رہا ہوتا ہے مگر میں اس خیال سے کہ وہ مجھے دیکھ نہ لے۔ ستون کے پیچھے چھپ جاتا ہوں نیز آپ فرماتے ہیں جہاں تک ممکن ہو سکے۔ اپنے مخالفین سے ظاہر میں رواداری کرو اور ان سے میل ملاپ رکھو۔ مگر اندرونی طور پر ان کے مخالف رہو نیز یا مومن سے ریاکاری کرنا شرک کے مترادف ہے اور منافق سے اس کے گھر میں ریاکاری کرنا عین عبادت ہے۔

علیہ وآلہ وسلم۔ حرمة مال المسلم کدمه " یعنی ہر مسلمان کا مال حرام ہے جس طرح اس کا خون۔ جب اسی طرح حفاظت جان کے لئے تقیہ جائز ہے اسی طرح حفاظت مال کیلئے

دلیل سوم

خداوند عالم نے مومن آل فرعون کی مدح و ثنا کرتے ہوئے فرمایا ہے وقال رجل مومن من ال فرعون یکتم ایمانه (سورہ مومن پ ۲۴ ع ۴) آل فرعون میں سے ایک مرد مومن نے کہا جو کہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ خداوند عالم کا اس کے فعل (کتمان ایمان و اظہار کفر) کو مقام مدح میں بیان کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ایسے حالات میں ایسا کرنا نگاہِ قدرت میں محبوب و مرغوب امر ہے۔ اگرچہ یہ شریعت موسوی کا واقعہ ہے مگر شریعت مصطفوی میں اس کی دلیل نسخ کا نہ ہونا اس کے بقاء و دوام کی بین دلیل ہے۔

دلیل چہارم

فضیلت تقیہ کی جن اخبار کی وجہ سے مخالفین ہم پر زبان اعتراض دراز کرتے رہتے ہیں۔ ایسی روایات خود ان کی کتب میں موجود ہیں۔ چنانچہ کنزالعمال ج ۲ صفحہ پر مرقوم ہے۔ لا دین لمن لا تقیه له " جو شخص عند الضرورت تقیہ نہیں کرتا وہ بالکل بے دین ہے۔ لہٰذا جو اعتراض ہم پر کیا جاتا ہے وہی خود ان حضرات پر بھی عاید ہوتا ہے۔ فما هو جوابکم فهو جوابنا۔ بخاری شریف ج ۴ صفحہ طبع دہلی پر تقاۃ کی تفسیر تقیہ کے ساتھ کرنے کے بعد لکھا ہے وقال الحسن التقیه الی یوم القیامة یعنی حسن بصری کہتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک باقی ہے۔ لان حلال محمد حلال الی یوم القیمة وحرامه حرام الی یوم القیمة۔

دلیل پنجم

دوسروں پر بوجہ تقیہ کذب بیانی کا الزام لگانے والے اگر اپنی کتب حدیث و فقہ کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کے مذہب میں عند الضرورت جھوٹ بولنا فقط جائز ہی نہیں۔ بلکہ واجب لکھا ہے چنانچہ علامہ نووی شرح مسلم ج ۲ صفحہ پر لکھتے ہیں۔ وقد اتفق الفقهاء علی انه لو جاء ظالم یطلب انسانا مختفیا لیقتله او یطلب ودیعة لانسان لیاخذها غصبا سئل عن ذالک

و قال من صلى معهم في الصف الاول فكانما صلى مع رسول الله في الصف الاول وقال عودوا مرضاهم واشهدوا جنائزهم وصلوا في مساجدهم و قال كونوا لنا زينا ولا تكونوا علينا

نیز فرمایا جو شخص مخالفین کے ساتھ ان کی پہلی صف میں نماز پڑھے تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے جناب رسولِ خدا کے ساتھ صفِ اول میں نماز پڑھی ہو۔ آپ ہی سے منقول ہے کہ ان (مخالفین) کے بیماروں کی بیمار پرسی کیا کرو اور ان کے جنازوں میں شریک ہوا کرو اور ان کی مسجدوں میں نماز پڑھا کرو۔ نیز فرمایا ہمارے لئے باعثِ زینت بنو باعثِ ننگ و عار نہ بنو۔

وجب على من علم ذلك اخفاءه وانكاره للظالم بل وحلف الكذب جائز بل واجب۔ یعنی فقہا کا اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کوئی شخص چھپا ہوا موجود ہو اور کوئی ظالم اسے قتل کرنے کی غرض سے وہاں پہنچ جائے یا کسی شخص کی امانت کسی کے پاس پڑی ہو اور کوئی غاصب وہاں پہنچ کر اس سے سوال کرے کہ وہ انسان یا مال و امانت کہاں ہے؟ تو جسے بھی حقیقتِ حال کا علم ہو اس پر واجب ہے کہ اسے مخفی رکھے اور اپنی لاعلمی کا اظہار کرے۔ یہ صورت جائز بلکہ واجب ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ تقیہ

ؒ مخالفین کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارہ میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں۔ ایک مرتبہ ہم نے ان کو شمار کیا تھا۔ ان کی تعداد تیس سے زائد تھی۔ ان اخبار کے متعلق علماء اعلام کے دو نظریے ہیں۔ بعض علماء تو ان کو حالتِ تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ یعنی یہ حکم، حالتِ تقیہ کے ساتھ مختص ہے اور بعض علماء مثل علامہ ربانی مرحوم شیخ یوسف البحرانی صاحب حدائق ناضرہ اور حضرت آقائے سید حسین بروجردی اعلی اللہ مقامہ، علی الاطلاق اس امر کو مستحب و مستحسن سمجھتے ہیں۔ و هذا القول لا يخلو من القوة وليس هذا محل تحقيق ما هو الحق في المقام۔ مگر یہ یاد رہے کہ اقتداء کی نیت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ صرف ظاہرداری کرتے ہوئے علیحدہ اذان و اقامت کہہ کر ان کے ساتھ کھڑا ہو کر فرادیٰ نماز کی طرح قرات وغیرہ خود انجام دے کر نماز کو ان کے ساتھ تمام کرنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ بحسب صورت اقتداء اور باعتبار حقیقت فرادیٰ ہو۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے میل ملاقات کی جائے اور تعلقات بڑھائے جائیں کیونکہ آئمہ اطہار فرماتے ہیں۔ لوگوں کو اپنی طرف رغبت دلاؤ، نفرت نہ دلاؤ۔ اسی لئے ان حضرات اطہار نے فرمایا ہے کہ مخالفین کے مریضوں کی عیادت اور ان کے جنازوں کی شرکت کرو۔ تاکہ ان سے تب سے تعلقات خوشگوار ہوں اور اسی طرح تبلیغِ حق کا بہترین موقع ہاتھ آئے گا۔ نیز اسلام کا تقاضا ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من يده و لسانه اللهم وفق المسلمين للاتفاق والاتحاد بجاه النبي وآله الامجاد منہ عفی عنہ۔

شيئاً وقال رحم الله امرأ احبنا الى الناس ولم يبغضنا اليهم وذكر القصاصون عند الصادقؑ فقال لعنهم الله انهم يشنعون علينا۔

خدا اس شخص پر رحمت نازل فرمائے۔ جو مخالفین کے دلوں میں ہماری محبت پیدا کرتا ہے اور ہمیں ان کی نظروں میں دشمن نہیں بناتا۔ جناب امام جعفر صادقؑ کے سامنے قصہ گویوں کا تذکرہ کیا گیا آپ نے فرمایا خدا ان پر لعنت کرے کہ وہ ہم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

عند الکل جائز ہے۔ اور سب اس پر عامل بھی ہیں۔ اگر کچھ اختلاف ہے تو فقط اس کے نام میں ہم اس کو تقیہ کہتے ہیں اور تنگ نظر مخالفین ہماری ضد میں تقیہ کی بجائے کذب کہتے ہیں اور اسے عند الضرورۃ جائز بلکہ واجب قرار دے رہے ہیں۔ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے چنانچہ بعض منصف مزاج علمائے اہلسنت نے اس کی تصریح کی ہے۔ صاحب المفاتیح الکافیہ نے ص۴۷ طبع بمبئی پر لکھتے ہیں قلت اتفق اصحابنا علی جواز الکذب عند الضرورة بل وللمصلحة وهو عين التقية لكن ان عبرت عنه بلفظ التقية منعه كثير منهم لكونه من تعبيرات الشيعة فالخلاف فيه لفظي والله اعلم يعنی میں کہتا ہوں ہمارے علماء (اہلسنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ ضرورت بلکہ کسی مصلحت کے وقت بھی جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہی بعینہ تقیہ ہے۔ ہاں البتہ اگر اسے لفظِ تقیہ کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو بہت سے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے کیونکہ یہ تعبیر شیعوں کے ساتھ مختص ہے۔ بنابریں بظاہر یہ سب اختلاف لفظی ہے واللہ اعلم۔ ان حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں فریقوں میں بظاہر لفظی اختلاف ہے۔ ایک فریق اسے تقیہ کہتا ہے اور دوسرا اسے جواز الکذب عند الضرورت سے تعبیر کرتا ہے ورنہ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے الحمد للہ علی وضوح الحق۔

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں ۔۔۔ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

تقیہ پر بعض عائد شدہ شکوک و شبہات کے جوابات

مذکورہ بالا بیاناتِ شافیہ سے یہ امر محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ تقیہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو شیعوں کے ساتھ مختص ہو تاکہ اس پر عائد کردہ شبہات کی جوابدہی کا فریضہ ان پر عائد ہو بلکہ واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ مسئلہ مشترکہ ہے اور عند الضرورت سب اس پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ من اکرہ فقلہ ا کلھا باللسان وقلبہ مطمئن بالایمان۔ مگر تاہم چونکہ ہمیشہ تنگ نظر لوگ ہمیں اس سلسلہ میں مطعون کرتے رہتے ہیں اور ابلہ فریبی کے لئے اس پر مختلف اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں اختصار کے

علینا و سئل الصادقؑ عن القصاص ایحل الاستماع لهم فقال لا وقال الصادقؑ من اصغی الی ناطق فقد عبده فان کان الناطق عن الله فقد عبد الله وان کان

پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ ایسے قصہ گویوں کے قصص و حکایات کو سننا جائز ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ نیز انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا جو شخص کسی بات کرنے والے کی طرف کان لگا کر اس کی باتوں کو غور سے سنتا ہے تو گویا وہ اس کی عبادت کرتا ہے پس اگر بات کرنے والا خدا اور دینِ خدا کی باتیں کرتا ہے تو سننے والا خدا کا عبادت گزار ہوگا۔

جیسا کہ ہماری ہر ہر مسئلہ میں یہی روش روا رہی ہے۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

تقیہ مثل نفاق ہے۔ کیونکہ ان ہر دو میں یہ قدر مشترک ہے کہ دل میں کچھ ہوتا ہے۔ اور ظاہر کچھ اور کیا جاتا ہے اور چونکہ نفاق حرام و ناجائز ہے لہذا تقیہ بھی ناجائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس بالکل بے اساس ہے۔ تقیہ و نفاق کو ایک قرار دینا یہی جہالت یا تجاہل ہے ورنہ معمولی عقل و علم رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ تقیہ و نفاق میں زمین و آسمان کا فرق ہے تقیہ میں ایمان کو چھپا کر کفر کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور نفاق میں کفر و شرک کو پوشیدہ رکھ کر اسلام و ایمان کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ اذا جاءک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله والله یعلم انک لرسوله والله یشهد ان المنافقین لکاذبون۔ پس جب یہ دونوں الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ تو پھر ایک کے حکم کا دوسرے پر چسپاں کرنا کس قانون و آئین میں جائز ہے! یہ قیاس مع الفارق تو ان لوگوں کے نزدیک بھی غلط ہے اور ناجائز ہے جو قیاس کو درست سمجھتے ہیں۔ فما لکم کیف تحکمون؟

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

ابتدائے اسلام میں جب کہ اسلام کمزور تھا بے شک تقیہ جائز تھا۔ مگر فتح مکہ کے بعد جب کہ اسلام و مسلمین طاقتور ہو گئے تھے۔ یہ حکم منسوخ ہو گیا لہذا اب ناجائز ہے۔ یہ شبہ فریب کاری عیاری کا شاہکار ہے ورنہ معمولی عقل و فکر رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ کسی حکم کا منسوخ ہو جانا اور بات ہے اور کسی چیز کو کچھ عرصہ تک بوجہ عدم ضرورت استعمال میں نہ لانا چیزے دیگر۔ یہ ٹھیک ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایک مرتبہ تقیہ کی ضرورت نہ رہی تھی [illegible] کیونکہ اس وقت خوف نہ تھا مگر یہ کہنا کہ اس وقت تقیہ ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو گیا تھا۔ یہ خدا و رسول پر کھلا افترا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی حکم کا نسخ بغیر نص صریح کے ثابت نہیں ہو سکتا۔ ارشاد قدرت ہے ما ننسخ من آیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها کہ جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں تو اس کی مثل یا اس سے

الناطق عن ابلیس فقد عبدہ و سئل الصادق عن قول اللہ والشعراء یتبعهم الغاوون قال هم القصاصون و قال النبی من اتی

اور اگر لغویات اور شیطانی قصے بیان کر رہا ہے تو سننے والا بھی ابلیس کا عبادت گزار متصور ہوگا۔ کسی نے امام علیہ السلام سے قولِ خداوندی "والشعراء یتبعهم الغاوون" کی تفسیر پوچھی آپ نے فرمایا یہاں شعراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو جھوٹے قصے کہانیاں بیان کیا کرتے ہیں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بدعتی انسان کے پاس جائے۔

بہتر ناسخ آیت ہوتے ہیں۔ علامہ سیوطی اپنی تفسیر اتقان ج۲ ص۲۲ پر رقمطراز ہیں: انما یرجع فی النسخ الی نقل صریح عن رسول اللہ صلعم او عن صحابی یقول الا یعنی نسخ کے سلسلہ میں جناب رسول خدا یا ان کے کسی صحابی کی روایت صریح پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جب کہ ناسخ آیت بھی موجود ہو بلکہ یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ: ولا یعتمد فی النسخ علی قول عوام المفسرین بل ولا اجتہاد المجتہدین من غیر نقل صحیح۔ نسخ کے بارے میں عوام مفسرین کا قول بلکہ مجتہدین کا اجتہاد بھی کافی نہیں ہے جب تک کہ نقل صریح موجود نہ ہو (اتقان)۔ بنابریں ہم نے اس کے جواز کے دلائل تو قرآن و حدیث سے ذکر کر دیئے ہیں اگر مدعی نسخ میں ہمت ہے تو اس کے منسوخ ہونے پر کوئی نص قرآنی پیش کرے ورنہ اس طرح بلا دلیل قرآنی ڈھکوسلوں سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

اگر تقیہ جائز تھا تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں کیوں تقیہ نہ کیا؟ اور اپنا سب گھر بار راہ خدا میں اعلاء کلمۃ الحق کیلئے کیوں قربان کر دیا۔ آپ کے بیعت یزید نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ جائز نہیں ہے۔ یہ شبہ بھی حقیقت الامر کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے ورنہ کوئی حقیقت بین اور معاملہ شناس آدمی یہ اعتراض نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اس شبہ کے جواب میں الزاماً اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ اگر تقیہ جائز نہ ہوتا تو حضرت امیر المومنینؑ خلافتِ ثلاثہ کے وقت اور حضرت امام حسن مجتبیٰؑ صلح معاویہ کے وقت اس پر عمل نہ کرتے۔ مگر چونکہ اس طرح خدشہ ہے کہ ایک ظاہر بین آئمہ طاہرینؑ کے افعال میں اختلاف کا خیال نہ کرے۔ حالانکہ ان کے افعال و اقوال میں فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس امر کی قدرے وضاحت کر دی جاتی ہے۔

تقیہ کی اقسام

اصل حقیقت بیان کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ متن رسالہ میں جو یہ مذکور ہے

فاذا بدعت فوقع فيها سعى في هدم الاسلام واعتقادنا فيمن خالفنا في شيء واحد من امور الدين كاعتقادنا فيمن خالفنا في جميع امور الدين

اور جاکر اس کی تعظیم و تکریم کرے تو اس نے (ارکان) اسلام کے گرانے کی کوشش کی ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص دین (برحق) کی باتوں میں سے کسی ایک بات میں بھی ہمارا مخالف ہے۔ وہ ان لوگوں کی مانند ہے۔ جو ہمارے دین کی تمام باتوں میں ہمارے مخالف ہیں۔

پر منحصر ہوتا ہے۔ بعض اوقات واجب ہوتا ہے۔ بعض اوقات حرام، بعض اوقات راجح یعنی مستحب ہوتا ہے۔ بعض اوقات مرجوح و مکروہ اور بعض اوقات فقط مباح ہوتا ہے۔ بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ خواہ حضرت امیر علیہ السلام کا بوقت خلافت شیخین تقیہ ہو۔ یا جمل و صفین کی جنگ اسی طرح حضرت امام حسنؑ کی پہلے جنگ ہو یا بعد میں صلح۔ خواہ امام حسینؑ کا جہاد ہو یا امام زین العابدینؑ کی قید و بند حضرت امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کی خاموشی ہو یا امام موسیٰ کاظمؑ کی قید۔ یا امام رضاؑ کی ولی عہدی (وهلم جرا) یہ سب حفاظت دین اور حمایت شریعت سید المرسلین کے مختلف مظاہر ہیں۔ مقصد و مآل سب کا ایک ہی ہے۔ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

آئمہ طاہرینؑ کے افعال میں ظاہری اختلاف کی وجہ

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ حالات کے بدلنے سے ایک ہی مقصد کے حاصل کرنے کے طور و طریقے بدلتے رہتے ہیں۔ سرور کائناتؐ کے انتقال پر ملال کے وقت اسلام داخلی و خارجی دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا۔ اگر اس وقت جناب امیرؑ اپنا حق خلافت حاصل کرنے کے لئے شمشیر بکف ہو کر میدان میں اتر آتے تو دار الخلافت میں خانہ جنگی کی وجہ سے اسلام مٹ جاتا جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں۔ ان لم انصر الاسلام و اهله ارى فيه ثلماً الخ میں نے دیکھا کہ اگر میں اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی خاموش رہ کر نصرت و امداد نہ کروں تو اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جائے گا کہ اس کا صدمہ مجھے خلافت کے چھن جانے سے بھی زیادہ ہوگا (نہج البلاغہ)، معلوم ہوا کہ اس وقت دین کی بقا تقیہ کے لباس و صبر پر بیٹھنے میں تھی۔ ہاں جب ظاہری خلافت جناب کو مل گئی۔ اور آپ کو اصلاح احوال کرنے کا موقع دستیاب ہو گیا اور بعض شر پسند عناصر نے راستے میں روڑے اٹکانے کی مذموم حرکت شروع کر دی تو اس وقت دین کی فلاح و بہبودی ایسے عناصر کی سرکوبی کرنے میں تھی۔ اس لئے جنگ جمل، صفین اور نہروان ظہور میں آئیں۔ اسی طرح جب حضرت امیرؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؑ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو امیر شام نے سازشوں کے جال بچھانے شروع کر دیئے اور اپنی ریشہ دوانیاں تیز سے تیز تر کر دیں۔ امام علیہ السلام [illegible]

ذی جو بیٹوں کو ورغلا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ حتیٰ کہ نوبت بایں جا رسید کہ عین حالت نماز میں آنجناب پر حملہ کر دیا گیا اور جناب کے خیمہ میں جو کچھ مال و اسباب تھا حتیٰ کہ وہ سجادہ جس پر آپ نماز پڑھ رہے تھے لوٹ لیا گیا اور جناب کی ران مبارک زخمی کر دی گئی۔ اس کے باوجود امیر شام آپ کو حسب دلخواہ شرائط پر صلح کی پیش کش بھی کر رہا تھا۔ اندریں حالات آنجناب نے دین کی بقاء اور اپنے نام لیواؤں کی فلاح اور مسلمانوں کی صلاح اسی امر میں دیکھی کہ تقیہ کر کے معاویہ سے صلح کر لیں۔ یہ امور تاریخ اسلام کے ایسے مسلمہ حقائق ہیں کہ کوئی شخص ان کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ انہی حقائق کے پیش نظر منصف مزاج علمائے اہل سنت یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا گواہ ہے کہ ہمارے امام و شہزادے نے اپنی خوشی کے ساتھ یہ خلافت معاویہ کو نہیں دی بلکہ مجبوری سے آپ نے دیکھا کہ میرے ساتھی لوگ در پردہ معاویہ سے سازش رکھتے ہیں اور امیر معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔۔۔ (الی ان قال) آپ معاویہ کو ظالم و غاصب جانتے تھے اور ہرگز خلافت کا مستحق نہیں جانتے تھے۔ (ازالۃ الغین ص ... علامہ حیدر علی مترجم صلاح سنتی)

سرکار سید الشہداء کا معاملہ اپنے بزرگوں سے مختلف تھا

مگر امام حسینؑ کی حالت ان سب سے جداگانہ تھی۔ ان کے سابقہ بزرگوں کے وقت اگرچہ دین میں بہت کچھ تغیر و تبدل شروع ہو گیا تھا مگر پھر بھی نماز روزہ وغیرہ ظاہری احکام اسلام بہت حد تک بحال تھے۔ اور ان پر عمل بھی ہو رہا تھا لیکن جناب سید الشہداءؑ کو جس شقی ازلی یعنی یزید پلید سے واسطہ پڑا تھا۔ وہ علانیہ شارب الخمر تارک الصلوٰۃ و ناکح المحارم اور شعائر الاسلام کی ہتک حرمت کرنے والا تھا (تاریخ الخلفاء سیوطی وغیرہ) بلکہ کھلم کھلا طور پر اپنے کفر کا اظہار یوں کیا کرتا تھا۔ لعبت ہاشم بالملک فلا خبر جاء ولا وحی نزل۔ (تذکرۃ خواص الامۃ وغیرہ) اس لئے وہ دین اسلام کو مٹانے کا تہیہ کر چکا تھا۔ ان حالات میں تو اہلسنت کے اصول کے مطابق بھی امام حسینؑ کے لئے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جہاد واجب تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔

واذا كفر الخليفة بانكار ضروري من ضروريات الدين حل قتاله بل وجب فصار قتاله من الجهاد في سبيل الله الخ۔ جب کوئی خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے تو اس وقت اس سے جنگ کرنا جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے اور یہ جنگ کرنا جہاد فی سبیل اللہ میں شمار ہو جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ص ...)۔ لہٰذا اگر اس وقت جناب سید الشہداءؑ تقیہ پر عمل پیرا ہو جاتے تو دین اسلام مٹ جاتا۔ اور ان کے علاوہ چند عالی مقدار اور بلند پایہ بزرگوار بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء خالق کردگار کی مساعی جمیلہ و جہود جلیلہ پر پانی پھر جاتا۔ ایسے حالات میں تقیہ کا واجب ہونا تو درکنار جائز بھی نہیں بلکہ حرام ہے۔ لہٰذا جناب امام حسینؑ کس طرح تقیہ کر سکتے تھے؟ امام عالی مقام سے بڑھ کر کوئی شخص معاملہ

شناس ہو سکتا ہے۔ وہ سمجھے تھے کہ اس وقت دینِ خدا کی بقاء اور شریعتِ مصطفویہ کی اصلاح آپ کی شہادت ہی میں مضمر ہے۔ اسی لئے جناب نے فخریہ کہا کہ ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی یا سیوف خذینی تن، من، دھن کی بازی لگا دی اور اپنے تمام اعزہ و انصار کو راہِ خدا میں شہید کرا کے اسلام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ اسلام زندہ ہو گیا ہر کربلا کے بعد۔ ونعم ما قیل

سر داد نداد دست در دستِ یزید حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

حضرت سید الشہداء اور ان کے پیشروؤں میں ایک ظاہری فرق یہ بھی نمایاں تھا کہ ان بزرگواروں کو خلفائے وقت کی طرف سے برابر صلح کی پیش کش کی جاتی تھی۔ مگر جناب سید الشہداء کے لئے دو ہی راستے تھے۔ بیعتِ یزید یا شہادت۔ لہٰذا بیعت کرنے میں دین جاتا تھا اور نہ کرنے میں جان جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب معاملہ کی نزاکت اس حد تک پہنچ جائے تو ایسے حالات میں قانونِ شریعت کے مطابق دین کی بقاء کا انتظام کرنا واجب و لازم ہوتا ہے۔ لہٰذا فرض شناس امام علیہ السلام نے وہی کچھ کیا جو ان کو کرنا چاہیئے تھا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ان حقائق سے روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ جناب سید الشہداء کے جہاد کو تقیہ کے عدم جواز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا اعتراض وہی لوگ کرتے ہیں جو واقعات کی اصلیت نہیں سمجھتے ورنہ الحال تغنی عن المقال ان پر واضح بات ہے کہ

SIBTAIN.COM

اذا لم تکن للمرء عین صحیحۃ فلا غرو ان یرتاب والصبح مسفر

ایضاح

مذکورہ بالا حقائق سے واضح ہو گیا کہ تقیہ کا جواز بالکل بے غبار ہے بلکہ یہ اس شریعتِ مقدسہ اسلامیہ کے محاسن و محامد میں داخل ہے۔ اس کے جواز کا انکار سراسر جہالت و ضلالت ہے جو کسی فہمیدہ انسان کا شیوہ و شعار نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ لوگ اس کو محل بے محل استعمال کر کے اسے عامۃ الناس کی نظروں میں معیوب بنا دیں۔ ع ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد۔ ایسے سہل انگیز اور آرام پسند حضرات کے لئے متعلق فکر علامہ جناب محمد سلطان صاحب مرزا مرحوم کا یہ ارشاد گوش ہوش بننے کے قابل ہے۔ موصوف لکھتے ہیں۔ یہ ہوتا آیا ہے کہ انسان کے ہاتھوں میں اچھی سے اچھی شے بگڑ جاتی ہے۔ اور تقیہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل شیعہ اپنے تئیں شیعہ کہنے سے گریز کرتے ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ شاید اگر ان کا شیعہ ہونا معلوم ہو جائے تو ان کے افسر اور پبلک ان کو بری نگاہ سے دیکھیں گے اور جو شیعہ افسران ہیں وہ شیعہ افراد کو ان کا حق دینا بھی پسند نہیں کرتے تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں وہ غیر جانبدار سمجھے جائیں۔ حالانکہ ان کی اس ملازمت کی وجہ جواز یہی ہے کہ اپنے قوم کو فائدہ پہنچائیں وغیرہ۔ اس کو وہ تقیہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ